

زابد صدیق مغل

اسلامی فلسفہ

دوسرا حصہ

## جدید اعتزال کے فکری ابہامات کا جائزہ

اسلام، آزادی، مساوات اور رواداری

- ① اسلام فرد کی آزادی کا حامی ہے یا انفرادی آزادی کی تقدیس اسلام کا اہم اصول ہے۔
  - ② اسلام فرد کے اس حق کو مانتا ہے کہ وہ خیر و شر کی جو تعبیر اختیار کرنا چاہے، کرے۔
  - ③ اسلام غیر مسلموں کو مساوی معاشرتی حیثیت دیتا ہے۔
  - ④ اسلام امن و رواداری کا مذہب ہے۔
  - ⑤ قرآنی آیت ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ سے معلوم ہوا کہ دین میں کسی قسم کا جبر نہیں۔
  - ⑥ اگر مجاہدین کے نظریہ اسلام (کہ اقامتِ دین فرض ہے) کو تسلیم کر لیا جائے تو مسلمان کہیں بھی مخلوط آبادی میں امن سے زندگی بسر نہیں کر سکتے۔؟؟؟
  - ⑦ زمانہ حال عالمگیریت (Globalization) کا دور ہے جہاں ہر نظریہ حیات کے ماننے والوں کے درمیان اشتراکِ عمل کے سوا کوئی دوسری صورت کارگر نہیں۔
  - ⑧ اگر مسلمان بحیثیتِ جماعت اپنے عقائد کی اشاعت کا حق رکھتے ہیں تو انہیں غیر مسلموں کو بھی یہ حق دینا ہوگا۔
- زیر نظر مضمون کے اس حصے میں ہم درج بالا جملوں کی تفتیح کرنے کی کوشش کریں گے:

### نظریہ آزادی، مساوات اور رواداری کا مفہوم

جدید مسلم مفکرین قرآنی آیت: ﴿قَمَنَ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (الکہف ۲۹) (تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے) سے ماخوذ شدہ جبر و قدر کی بحث پر مبنی مذہبی تصور آزادی کو مغربی تصور آزادی سے خلط ملط کر کے اسلام میں آزادی (اور جمہوریت) کا بطور ایک مستقل قدر، اثبات کرتے ہیں، حالانکہ مذہب اور مغرب کے تصور

آزادی میں سوائے لفظی اشتراک کے اور کوئی شے مشترک نہیں۔ مناسب ہے کہ پہلے ہم مغربی تصوراتِ آزادی، مساوات اور رواداری کے اصل معنی جان لیں، کیونکہ مغربی تہذیب کے یہ تین اہم تصورات باہم ایک دوسرے مربوط ہیں:

**نظریہ آزادی (Principle of Freedom/Autonomy):** کا معنی ہے تعیین خیر و شر کا حق (right to define good and bad) یعنی یہ تصور کہ خیر کی تعریف متعین کرنا فرد کا حق ہے ("Good" is the right of individual)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خیر و شر کا تعین کرنے کا حق ہر انسان کو ہونا چاہئے اور اس سے کہ فرد اس حق کو استعمال کر کے اپنے لئے خیر و شر کا کونسا پیمانہ طے کرتا ہے، کیونکہ اصل خیر یہی ہے کہ انسان خود خیر و شر طے کرنے کا مکلف و مجاز ہو۔ سادہ لفظوں میں یہ کہ خیر وہی ہے جسے فرد اپنی مرضی و ارادے سے اختیار کرتا ہے، نیز فرد اپنی ترجیحات کی جو بھی ترتیب مرتب کرے گا وہی اس کے لئے خیر ہوگا۔

اگر ہنری پتے گننے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے تو یہی اس کے لئے خیر ہوگا، اگر ابراہم گلوکار بنا چاہتا ہے تو یہی اس کا خیر ہوگا اور اگر عبداللہ مسجد کا امام بنا چاہتا ہے تو یہ اس کا خیر ہوگا۔ الغرض اصل بات یہ نہیں کہ فرد اپنی آزادی کو کس طرح استعمال کرتا ہے بلکہ اصل خیر یہ ہے کہ وہ اپنے لئے خیر و شر طے کرنے کا حق استعمال کرنے میں آزاد ہو۔ دوسرے لفظوں میں آزادی کا مطلب ہے choice of choice (جو چاہنا چاہوں، چاہ سکنے کا حق)، یعنی کوئی عمل فی نفسہ اچھا یا برا نہیں اور نہ ہی فرد کے ارادے کے علاوہ کوئی ایسا پیمانہ ہے جس کے ذریعے کسی عمل یا شے کی قدر (value) متعین کی جاسکے بلکہ فرد معیاراتِ خیر و شر کو خود متعین کرتا ہے۔

**نظریہ مساوات (Principle of Equality):** یہ ماننا کہ چونکہ ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے قدر (خیر و شر) کا جو پیمانہ چاہے طے کر لے، لہذا ہر شخص کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ دوسروں کے اس مساوی حق کو تسلیم کرے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں خیر اور شر کا جو پیمانہ چاہیں طے کر لیں اور اس بات کو مانے کہ خیر و شر کے تمام معیارات مساوی

(Equal) حیثیت رکھتے ہیں۔ مغربی تصور مساوات کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے تعین قدر کی ترتیب کو یکساں اہمیت دی جائے اور کسی بھی فرد کے معیار خیر و شر اور اقداری ترجیحات کی ترتیب کو کسی دوسرے کی ترتیب پر فوقیت نہیں دی جانی چاہئے۔ ان معنی میں عبداللہ، ہنری اور ابرار کی خواہشات مساوی اقداری حیثیت کی حامل ہیں اور ان میں کسی ایک کو کسی دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔ پس خود ارادیت (autonomy) کا ہر فرد یکساں مکلف ہے اور جمہوری ریاست کی تعمیر کے لیے صرف آزادی نہیں بلکہ مساوی آزادی (equal freedom) کو تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔

**نظریہ رواداری (Doctrine of Tolerance):** کا مطلب یہ ہے کہ انفرادی سطح پر اقدار کی ترتیب میں جس فرق کا اظہار لوگوں کی زندگیوں میں ہوتا ہے، اسے برداشت کیا جائے، یعنی یہ مانا جائے کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ کی نگاہ میں خیر کا تصور کیا ہے، بلکہ اہم بات یہ ہے کہ فرد اس بات کا قائل ہو کہ ذاتی زندگی میں اقدار کی جو بھی ترتیب ہو مگر معاشرتی سطح پر وہ اس ترتیب کو قبول کرے گا جس میں اصول آزادی (یعنی فرد کے اس حق کو کہ وہ خیر کی جو تعبیر کرنا چاہے، کر سکے) کی بڑھوتری کو مقدم رکھا جائے گا۔ Tolerance کا مطلب اختلاف رائے کو برداشت کرنا نہیں، بلکہ اس کا مطلب اقداری ترتیب کے فرق کو غیر اہم اور لایعنی سمجھنا ہے۔<sup>①</sup>

چنانچہ آزادی و مساوات بطور اقدار اختیار کرنے کا لازمی تقاضا یہ ماننا بھی ہے کہ کسی بھی فرد کو اپنے تصور خیر (مثلاً مذہبیت) کی بنیاد پر کسی دوسرے شخص کے عمل پر تنقید کرنے یا اسے

① لبرل سیکولرازم عیسائی سیکولرازم سے مختلف شے ہے۔ عیسائیت بھی ایک سیکولرازم قائم کرتی ہے جہاں وہ کہتی ہے کہ بادشاہ کا ایک علاقہ ہے اور پادری کا دوسرا، مگر وہ برداشت کے اس تصور کی بالکل قائل نہیں کہ اقدار کی ذاتی ترتیب غیر اہم ہے۔ اس کے مقابلے میں لبرل سرمایہ دارانہ سیکولرازم کے اندر ذاتی اقداری ترتیب کی سرے سے کوئی اہمیت نہیں رہتی، اسی لئے اس سیکولرازم کے اندر مذہب کا پینا ممکن نہیں رہتا اور نہ ہی یہ مذہب کے معاشرتی و ریاستی اظہار کو برداشت کرتی ہے۔ عیسائی سیکولرازم بادشاہ کو ایک محدود دائرہ فراہم کرتی ہے جس کے اندر اس کے اختیار کو تسلیم کیا جاتا تھا مگر بالادست تصورات خیر اور عدل عیسائی تصورات خیر اور عدل ہی تھے۔

تبدیل کر دینے کی خواہش رکھنے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کا حق حاصل نہیں، یہاں تک کہ ایک باپ کو نماز کے لئے اپنے بچوں پر جبر کرنے کا حق حاصل نہیں ہو سکتا۔<sup>①</sup> اگر فرد مذہبی زندگی کو ایک نفسیاتی دوا یا روحانی تسکین کے ایک ذریعے کے طور پر اپناتا ہے تو یہ قابل قبول ہے مگر مذہب کے معاشرتی و ریاستی اظہار کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ زندگی گزارنے کے تمام طریقوں کو مساوی معاشرتی قدر دینے کے اس رویے کا نام ٹولرنس ہے (جسے عام طور پر اسلامی تصور 'رواداری' سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے) جس کا مغربی مفہوم یہ ہے کہ جب تمام افراد کی ذاتی خواہشات کی ترتیب اور زندگی گزارنے کے تمام طریقے مساوی ہیں تو ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وہ دوسرے کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے انہیں برداشت کرے۔

آزادی کے اصول پر معاشرتی تشکیل تبھی ممکن ہے جب افراد اظہار ذات کے تمام طریقوں کو یکساں اہمیت دیں اور انہیں برداشت کرنے کا مادہ پیدا کریں، یعنی ٹولرنس کا مظاہرہ کریں۔<sup>②</sup>

مغربی مباحث آزادی اور مساوات سے اخذ شدہ تصورات مثلاً 'ایک سے زائد اچھائیاں' plurality of goods کا ذکر بھی یہاں افادیت سے خالی نہیں، کیونکہ یہ نظریات بھی جدید مفکرین کے لئے فکری اعتزال کا باعث بنے۔ plurality of goods کا مطلب یہ ماننا ہے کہ خیر کی بہت سی تعبیریں ہیں اور یہ تمام تعبیریں اصولاً و اخلاقاً مساوی ہیں، نیز جمہوری

① یہی وجہ ہے کہ جب شہر لاہور میں ہونے والی عورتوں کی حیا باختمی تھن ریس کے خلاف دینی تحریکوں اور علماء کرام نے احتجاج کیا تو جدیدیت کے دل دادہ صدر مشرف نے یہ کہا تھا کہ جو میر تھن نہیں دیکھنا چاہتے وہ اپناٹی وی بند کر لیں، مگر انہیں دوسروں پر تنقید کرنے کا حق حاصل نہیں۔

② ٹولرنس کے فلسفے کے تحت قائم ہونے والے معاشروں میں کس کس قسم کے اعمال اور اظہار ذات کے کن کن ممکنہ طریقوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ چند ماہ قبل ہونے والے ان دو واقعات سے لگائیں۔ امریکہ میں ایک عورت کو چوبیس گھنٹے میں کئی سو مردوں کے ساتھ 'بدکاری' کا عالمی ریکارڈ بنانے کے 'اعزاز' میں انعام سے نوازا گیا۔ اسی طرح امریکہ میں پانچ ہزار سے زیادہ مردوں اور عورتوں نے مکمل برہنہ حالت میں سڑکوں پر احتجاجی جلوس نکالا۔ یہ ہے ٹولرنس کا اصل مفہوم اور پس پردہ کارفرما جذبہ، العیاذ باللہ من ذلک

ریاست کا بنیادی وظیفہ یہی ہے کہ وہ تمام تصورات خیر کے اظہار کو ممکن بنائے۔ چنانچہ plurality of goods نظریہ آزادی و مساوات کا منطقی لازمہ ہے۔

### (ا) اسلام اور آزادی

واضح ہوا کہ مغربی تصورات آزادی و مساوات گویا مستقل اقدار (freedom as value) کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ جمہوری ریاست سے تقاضا کرتی ہیں کہ وہ ایسی معاشرتی و ریاستی صف بندی وجود میں لائے جو ہر فرد کی اس صلاحیت و حق کو بڑھاتی چلی جائے کہ وہ جو چاہنا چاہے، چاہ سکے اور اسے حاصل کر سکنے کا مکلف ہو سکے۔

اس کے مقابلے میں مذہبی نقطہ نگاہ سے آزادی کا مطلب ہے: ارادہ خداوندی کے مظہر تصورات خیر و شر کو اپنانے کی صلاحیت، یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی و عقلی صلاحیتوں سے نوازا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کا انتظام کر دینے کے بعد اسے مجبور محض نہیں بنایا بلکہ اسے یہ صلاحیت بھی عطا کی ہے کہ وہ حق کو اختیار کر کے اپنے رب کا فرمانبردار بنے یا اس کا انکار کر کے اس کا باغی کہلائے۔ دوسرے لفظوں میں مذہبی جبر و قدر کی بحث میں آزادی کا مفہوم ہے: ”مذہب کے طے کردہ خیر و شر میں سے کسی ایک کو اپنانے کی صلاحیت“ (ability to choose between good and bad) نہ کہ خیر و شر متعین کرنے کا حق (جیسا کہ مغربی تصور ہے)۔ مذہبی تصور آزادی کا مطلب یہ نہیں کہ اگر فرد اپنے ارادے سے کفر اختیار کرے گا تو وہی خیر ہوگا بلکہ اسے اس کی سزا بھگتنا ہوگی جیسا کہ اوپر بیان کردہ پوری آیت پڑھنے سے واضح ہوتا ہے جو یوں ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾ (الکہف: ۲۹)

”فرما دیجئے کہ حق تو وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، تو جو چاہے اس حق کو مان لے اور جو چاہے انکار کر دے، البتہ ہم نے (انکار کرنے والے) ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔“

چنانچہ اسلام آزادی ’بطور ذریعہ‘ (freedom as resource) کا تو قائل ہے کہ

دیگر مخلوقات کے مقابلے میں انسان کو یہ ذریعہ و صلاحیت حاصل ہے کہ وہ خیر و شر میں سے کسی ایک کو اختیار کر سکتا ہے، جس کا انجام روزِ آخرت اس کو بھگتنا ہوگا، مگر اسلامی نظامِ زندگی میں آزادی بطور ایک قدر (freedom as value) کا کوئی مقام نہیں، کیونکہ اصل قدر آزادی استعمال کرنے کا حق نہیں بلکہ اسے اپنے رب کے سپرد (surrender) کر دینا ہے یعنی قدرِ آزادی نہیں بلکہ عبدیت ہے۔

مغرب میں آزادی اعلیٰ ترین خیر ہے، کیونکہ ان کے مطابق اصل حیثیت اس چیز کی نہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں بلکہ اس کی ہے کہ آپ جو چاہنا چاہیں، چاہ سکیں، جبکہ مذہبی نقطہ نگاہ سے اہم بات یہ نہیں کہ میں جو چاہنا چاہوں، چاہ سکنے پر قادر ہوں یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ میں وہ چاہتا ہوں یا نہیں جو خدا چاہتا ہے کہ میں چاہوں۔ پس معلوم ہوا کہ نظریہ آزادی کا معنی عبدیت کا رد ہے، یعنی اس بات کا انکار کرنا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اس کا کام اس کی رضا حاصل کرنا ہے، کیونکہ آزادی کا مطلب انسان کے حق خود ارادیت (self-determination) کا دعویٰ ہے۔ یہ تصور دراصل انسان کی بنیادی ضرورت یعنی حصول ہدایت کے لئے خدائی رہنمائی سے انکار پر مبنی ہے۔

## ۲) اسلام اور مساوات

اسلامی نقطہ نگاہ سے نظریہ مساوات کا معنی ہے نظامِ ہدایت و رشد کا رد، یعنی اس بات کا انکار کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر و شر بتانے کے لئے ہدایت کا کوئی سلسلہ انبیاء کرام کے ذریعے قائم کیا ہے نیز انسان کے پاس ایسی کوئی الہامی اطلاعات نہیں جو حتمی ہوں اور جن کی بنیاد پر وہ خواہشات اور اعمال میں ترجیح کا کوئی پیمانہ قائم کر سکے۔ ایسا اس لئے کہ نظامِ ہدایت کا معنی ہی یہ ہے کہ تمام انسانوں کی خواہشات کی ترتیب ہرگز مساوی معاشرتی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ وہ شخص جس کی خواہشات کی ترتیب تعلیماتِ انبیاء کا مظہر ہیں تو وہ تمام دوسری ترتیبوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظریہ ریاستِ آزادی (اور اسی لئے مساوات) کو بطور کسی ایسی معاشرتی قدر قبول نہیں کرتا جو ریاست سے اس بات کا تقاضا کرے کہ وہ خیر کے معاملے 'غیر جانبدار' ہو کر تمام تصوراتِ خیر کے 'حقوق' کا 'مساوی' تحفظ کرے،

بلکہ اسلامی ریاست کا تو مقصد ہی اس خیر کو جو ارادہ خداوندی کی صورت میں نازل ہوا تمام دیگر تصورات خیر (جو درحقیقت شر ہیں) پر غالب کر دینا ہے، نہ کہ ان کے ساتھ مفاہمت کرنا اور خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کر کے انہیں مساوی حیثیت عطا کر دینا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾  
(الفتح: ۲۸)

”وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔“

دوسرے لفظوں میں نظام ہدایت مساوات کا نہیں بلکہ حفظ مراتب کا متقاضی ہے جس میں افراد کی درجہ بندی کا معیار (differentiating factor) تقویٰ ہوتا ہے نیز اسلامی معاشرے و ریاست کا مقصد جمہوری معاشرے کی طرح ہر فرد کو اپنی اپنی خواہشات کے مطابق زندگی گزارنے کے مساوی مواقع فراہم کرنا نہیں بلکہ ان کی خواہشات کو نظام ہدایت کے تابع کرنے کا ماحول پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے اسلامی نظریہ ریاست میں citizen (ایسی عوام جو اصولاً حاکم اور فیصلہ کرنے والی ہو) اور عوامی نمائندگی (Representation of citizens) کا کوئی تصور ہے ہی نہیں، کیونکہ یہاں عوام citizen نہیں بلکہ اللہ کے بندے / مسلمان ہوتے ہیں اور خلیفہ عوام کا نمائندہ نہیں ہوتا کہ جس کا مقصد عوام کی خواہشات کے مطابق فیصلے کرنا ہو بلکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ کا سیاسی نائب ہوتا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کی خواہشات اور اعمال کو شریعت کے تابع کرنے کے لئے نظام ہدایت کا نفاذ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس آزادی و مساوات کا معنی یہ ہے کہ خیر و شر اور اپنی منزل کا تعین انسان خود طے کرے گا اور ہر شخص کا تصور خیر و زندگی گزارنے کا طریقہ مساوی معاشرتی حیثیت رکھتا ہے اور ریاست کا مقصد ایسی معاشرتی صف بندی وجود میں لانا ہوتا ہے جہاں ہر فرد اپنی خواہشات کو ترتیب دینے اور انہیں حاصل کرنے کا زیادہ سے زیادہ مکلف ہوتا چلا جائے۔

### ۳) اسلام، رواداری اور امن ☆

اس بحث سے نظریہ رواداری Tolerance کی اسلامی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ نظریہ رواداری کا معنی ہے نہی عن المنکر کا رد، یعنی جب یہ مان لیا کہ خیر کا تعین فرد کا حق ہے، نیز تمام تصورات خیر مساوی ہیں تو یہ ماننا بھی لازم ہے کہ اوّل تو برائی کوئی شے ہی نہیں، اور اگر مجھے کوئی عمل اپنے تصور خیر کے مطابق برائی نظر آتا بھی ہے تو میں اسے برداشت کروں نہ یہ کہ اسے روکنے کی فکر اور تدبیر کرنے لگوں۔ بلکہ جمہوری اقدار (آزادی و مساوات) کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں دوسرے شخص کے ہر عمل کو قابل قدر نگاہ سے دیکھوں۔

اگر وہ اپنی ساری زندگی بندروں کے حالات جمع کرنے پر صرف کردے تو کہوں کہ 'واہ جناب کیا ہی عمدہ تحقیقی کام کیا ہے۔' دوسرے لفظوں میں نظریہ رواداری اس دعوے کے مترادف ہے کہ وہ تمام احادیث جن میں نہی عن المنکر کا حکم دیا گیا ہے۔<sup>(۳)</sup> نیز قرآنی آیات جن میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ﴿يَأْيُهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ ☆ مضمون کا یہ حصہ مولانا مودودی کے مضامین 'رواداری کا غیر اسلامی تصور' (تہذیبات جلد دوم) اور 'اسلام میں مرتد کی سزا سے ماخوذ ہے۔

(۳) نہی عن المنکر کے ضمن میں درج ذیل احادیث نظریہ رواداری کی حقیقت خوب واضح کرتی ہیں: «من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان» (صحیح مسلم: ۴۹) "تم میں سے جو کوئی بھی برائی دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے اپنے ہاتھ (یعنی طاقت) سے روک دے، اگر اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اپنی زبان سے ایسا کر دے، اگر اس کی استطاعت بھی نہیں رکھتا تو اپنے دل سے ایسا کر دے (یعنی نہ دل سے اسے برا جانے اور اس بات کا پختہ تہیہ رکھے کہ جب کبھی زبان اور ہاتھ سے اسے روکنے کی استطاعت آجائے گی تو روک دوں گا)، اور یہ (یعنی دل سے اسے ایسا کرنا) تو ایمان کا سب سے کمزور ترین درجہ ہے۔"

تقریباً یہی بات زیادہ تاکید کی انداز میں آپ ﷺ نے یوں بھی ارشاد فرمائی:

«ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون، فمن جاهدكم بيده فهو مؤمن، ومن جاهدكم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدكم بقلبه فهو مؤمن، وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل» =



وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴿﴾ (التحریم: ۶) ”اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔“ ان کا انکار کردوں اور انہیں ناقابل عمل گردانوں۔

آزادی و مساوات کی مغربی تعبیر کو بطور مستقل اسلامی اقدار ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام بھی تمام تصوراتِ خیر کو مساوی حیثیت دیتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کوئی برتر اور مکمل نظامِ زندگی نہیں بلکہ ایک ایسے برتر نظامہائے زندگی کا حصہ ہے جس میں تمام تصوراتِ خیر برابر ہوتے ہیں اور وہ نظامِ لبرل سرمایہ داری ہے۔ عالمگیریت (Globalization) کے نام پر مسلمانوں کو موجودہ نظام کے ساتھ اشتراکِ عمل کی دعوت دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات سے دستبردار ہو جائیں کہ اسلام ہی حق ہے اور ہم لبرل سرمایہ داری کے آلہ کار بن جائیں کیونکہ موجودہ عالمگیریت کا مطلب لبرل سرمایہ داری کے عالمی غلبے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ اسلام کے بارے میں یہ تصور درست نہیں، کیونکہ اسلام کا مقصد دنیا کی ہر ریاست (چاہے وہ کیسی ہی ہو) چلانے کے لئے محض پر امن اور وفادار رعیت فراہم کرنا نہیں اور نہ ہی اسلام محض چند عقائد اور اصول و اخلاق کا نام ہے جو ہر نظامِ زندگی میں کھپ سکے کیونکہ اگر معاملہ یہی ہوتا تو اسلام دیگر مذاہب سے کچھ مختلف چیز نہ ہوتا۔ اس کے برخلاف اسلام خود ایک مکمل نظامِ زندگی اور بھرپور علمیت ہے جس میں عقائد، عبادات، اخلاقیات کے ساتھ ساتھ انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سے متعلق احکام و قوانین بھی موجود ہیں۔ پھر اسلام کا اپنے بارے میں دعویٰ یہ نہیں کہ میں بہت سے تصوراتِ حق میں سے ایک

= ”مجھ سے پہلے اللہ نے جس اُمت میں کسی نبی کو مبعوث فرمایا تو اس کی اُمت میں ایسے حواری ہوتے تھے جو اس کی سنت کو مضبوطی سے تھامتے تھے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے تھے، پھر ان (حواریوں) کے بعد ان کے ناخلف جانشین آجاتے تھے جو کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے، اور کرتے وہ کام تھے جن کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ تو جو کوئی ایسے (ناخلف) لوگوں سے جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے پس وہ مؤمن ہے، اپنی زبان سے پس وہ مؤمن ہے، اپنے دل سے پس وہ مؤمن ہے، اور اس کے بعد تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔“ (صحیح مسلم) ان احادیث میں واضح طور پر ایسے شخص کے قلب سے ایمان کی نفی فرمائی گئی ہے جو دل سے بھی برائی کو برائی نہ سمجھتا ہو، اسے دیکھ کر اس کے دل میں تکلیف اور رنج نہ ہو اور اسے ختم کردینے کا ارادہ داعیہ بھی نہ پیدا ہو۔ اسی طرح ایک صحابی نے جب ایمان کی نشانی پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب نیکی کرنے سے تجھے خوشی ہو اور برائی سے غم و رنج ہو تو تو مؤمن ہے۔“ (صحیح مسلم: ۵۰)

حق ہوں بلکہ وہ خود کو الحق (the truth) کہتا ہے، یعنی وہ پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ صرف میرا ہی نظام برحق ہے اور اسی میں نوع انسانیت کی بھلائی و کامیابی ہے نیز میرے علاوہ سب دعوتیں و نظام تباہی و بربادی کے راستے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران: ۱۹)

”اللہ کے نزدیک دین (یعنی زندگی گزارنے کا معتبر طریقہ) صرف اسلام ہے۔“

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ

الْخٰسِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۸۵)

”جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے طریقے کو اختیار کرے گا تو اللہ کے ہاں قابل قبول

نہیں ہوگا اور آخرت میں وہ ناکام ہوگا۔“

﴿إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن

سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

”میرا یہ راستہ ہی سیدھا راستہ ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کی پیروی

مت کرو ورنہ تم اللہ کے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔“

پس اگر واقعی اسلام کا اپنے بارے میں یہی دعویٰ ہے جو اوپر بیان کیا گیا تو پھر اسلامی نقطہ

نگاہ سے نظریہ روادری Tolerance اور ’ایک سے زیادہ اچھائیاں‘ plurality of

goods کی بات کرنا ہی ایک مہمل بات ہے۔ یہ بات تو ہر معمولی ذہن رکھنے والا شخص بھی

سمجھتا ہے کہ دنیا کا کوئی صحیح الدماغ شخص جس شے کو حق اور جسے باطل گردانتا ہے، ان دونوں کو

کبھی اپنی زندگی میں مساوی حیثیت نہیں دیتا اور نہ ہی انہیں پنپنے کے برابر مواقع فراہم کرتا

ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مکان تعمیر کرے اور اس میں بجلی کے دو طرح کے کنکشن اور

تاریں لگوائے، ایک تو وہ جن کے کے آگے سوئچ بورڈ اور بٹن لگے ہوں، اور دوسرے اسی

دیوار میں کئی مقامات پر بجلی کی تاریں کھلی چھوڑ کر یہ کہتا پھرے کہ میں نے اپنے بچوں کو پوری

آزادی دے دی ہے، چاہیں تو سوئچ بورڈ سے پنکھا چلائیں اور اگر چاہیں تو ننگی تاروں کو ہاتھ

لگا کر کرنٹ سے مر جائیں۔

ایسے ہی ایک منزل سے نیچے دوسری میں جانے کے لئے ایک سیڑھی بنا دے، اور اس کے ساتھ بلندی سے گر کر مرنے کے لئے تین راستے بھی کھلے چھوڑ کر یہ کہے کہ میں نے سب راستوں کو برابر حیثیت دے دی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اپنے بچوں کے لئے ایسا مکان بنانے کی ترکیب صرف کسی ذہنی مریض ہی کو سوجھ سکتی ہے ورنہ دنیا کا کوئی بھی شخص چاہے کتنا ہی آزادی کا دل دادہ کیوں نہ ہو ایسی حرکت نہیں کرتا بلکہ مکان بناتے وقت تمام احتیاطی تدابیر (safety-measures) اختیار کرتا ہے تاکہ جس شے (یعنی زندگی کے ہلاک ہو جانے) کو وہ برا سمجھتا ہے، اس کی روک تھام کی جاسکے اور لوگوں کو اس بات کا زیادہ سے زیادہ پابند بنایا جاسکے کہ وہ ایسا طرز عمل اختیار کریں جس کے نتیجے میں ان کے ہلاکت میں پڑنے کے امکانات کم از کم اور حصول خیر کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہوسکیں۔ پس اس اصول پر اس دعوے کی مضحکہ خیزی بھی جانچی جاسکتی ہے کہ اسلام نظریہ رواداری Tolerance اور plurality of goods کا حامی ہے۔ وہ ایسے کہ ایک طرف تو اسلام پوری قوت کے ساتھ اپنے لئے یہ دعویٰ کرے کہ صرف میں ہی حق ہوں باقی سب باطل ہیں نیز صرف میرا ہی راستہ حقیقی کامیابی اور نجات کا ضامن ہے باقی سب جہنم و بربادی کے راستے ہیں، لیکن اس کے بعد اس اصولی دعوے کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے معاشرے میں جہنم اور بربادی کی طرف لے جانے والی باقی تمام باطل قوتوں کا راستہ نہ صرف یہ کہ کھلا چھوڑ دے بلکہ ان کے فروغ کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بھی فراہم کرے۔

اگر واقعی اسلام ہی حق ہے تو یہ ماننا بھی ناگزیر ہے کہ اسلام زمین میں اپنے نظام کے علاوہ دوسرے نظاماتِ زندگی کو مغلوب کرنے کا تقاضا بھی کرے۔ یہ بات ہی سراسر مہمل ہے کہ ایک نظامِ زندگی کو باطل بھی کہا جائے اور پھر اس کا غلبہ بھی برداشت کیا جائے۔ وہ صرف ایک فاتر العقول انسان ہی ہو سکتا ہے جو بیک وقت اپنے پیش کردہ نظام کو حق بھی کہے، اس کی پیروی کا حکم بھی دے مگر ساتھ ہی اپنے ماننے والوں کو دوسرے باطل نظامات کے اندر پر امن و فادارانہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم بھی دے۔ آخر دنیا میں وہ کون شخص ہے جو جس شے کو شر سمجھتا

ہے، پھر اسے پھیلنے کی مکمل آزادی اور حق بھی دے دے؟ ایسی بے وقوفی کی اُمید تو ایک عام انسان سے بھی نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ اس کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کرنے کی جسارت کی جائے۔

اسلام کا خود کو حق کہنا اور اس کی طرف پوری قوت سے دعوت دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ دوسرے نظامات کو ہٹا کر ان کی جگہ اپنا نظام اقتدار قائم کرنے کا مطالبہ کرے اور اپنے ماننے والوں کا طرہ امتیاز اسی کو قرار دے کہ آیا وہ اس جدوجہد میں جان و مال کھپاتے ہیں یا نہیں۔ اس معاملے میں یہ سوال ہی غیر اہم ہے کہ کفار ہماری اس جدوجہد کو برداشت کریں گے یا نہیں یا ہمیں غیر مسلموں کا تعاون حاصل ہوگا یا نہیں؟

اسلام کی اس اُصولی پوزیشن سے یہ نتیجہ خود بخود نکلتا ہے کہ حقیقی مسلمان کا وجود ہر غیر اسلامی ریاست کے لئے کھلا چیلنج ہی ہونا چاہئے، کیونکہ کوئی اسے برداشت کرے یا نہ کرے بہر حال اسلام کا تقاضا اپنے ماننے والوں سے یہی ہے کہ جہاں کہیں خدا کا قانون نافذ نہیں ہے اور ظلم و ستم کا دور دورہ ہے، وہاں ظلم و ستم کا خاتمہ کر کے ایسے حالات پیدا کر دیں کہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے کی آزادی میسر آجائے۔

بلاشک و شبہ اسلام امن و سلامتی کا حامی ہے مگر اس کی نگاہ میں حقیقی امن اور سلامتی وہی ہے جو نفاذِ شریعت سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کوئی اسلام میں امن و سلامتی کا مطلب یہ سمجھا کہ شیطانی و طاغوتی نظاموں کے زیر سایہ سارے کاروبار زندگی پورے اطمینان سے چلتے رہیں اور مسلمان کو خراش بھی نہ آئے، وہ اسلام کا نقطہ نظر بالکل نہیں سمجھا۔<sup>⑤</sup> اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے

⑤ جن مسلم مفکرین (مثلاً وحید الدین خان) کے خیال میں ہر حال میں قیام امن، اسلام کا اولین اُصول ہے وہ سرمایہ داری کو بطور ایک معاشرتی و ریاستی عمل اور ایک علمیت نہیں پہچانتے۔ ان مفکرین کے خیال میں حالت امن، گویا کسی نیوٹرل مقام کا نام ہے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ امن کس اُصول کی بالادستی و غلبے پر قائم ہوا ہے؟“۔ یہ مفکرین اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے کہ اگر واقعی ہر حال میں امن اسلام کا اولین اُصول ہے تو حضور ﷺ نے مشرکین مکہ کی درخواست کے باوجود صلح حدیبیہ کو کالعدم قرار دے کر مکہ پر حملہ کیوں کیا تھا؟

کہ اسلام کو کفر و طاغوت کا قائم کردہ امن نہیں بلکہ اپنا قائم کردہ امن مطلوب ہے اور اسی میں وہ انسان کی سلامتی دیکھتا ہے۔<sup>①</sup>

کفر و طاغوت کی بالادستی پر مبنی قیام امن کا مطلب صرف یہ ہے کہ نوع انسانیت اطمینان و سکون کے ساتھ جہنم کے راستے پر چلنے پر راضی ہو جائے اور مسلمان ٹس سے مس نہ ہوں۔ ظاہر ہے قیام امن کا یہ تصور اس مقصد ہی کے خلاف ہے جسکے لئے اُمتِ مسلمہ برپا کی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

② مغرب کا یہ دعویٰ کہ لبرل سیکولر ریاست خیر کے معاملے میں غیر جانبدار اور اسی لئے Tolerant ہوتی ہے، ایک جھوٹا دعویٰ ہے، کیونکہ خیر کے معاملے میں غیر جانبداری کا رویہ ممکن ہی نہیں (اس نقطے پر ذرا تفصیلی گفتگو اسلام اور ہیومن رائٹس کی بحث میں ہوگی)۔ مختصراً یہ کہ لبرل جمہوری ریاست بھی ایک مخصوص تصور خیر کو تمام دیگر تصورات خیر پر بالاتر کرنے کی ہی کوشش کرتی ہے اور وہ تصور خیر 'آزادی' ہے، یعنی یہ تصور کہ تمام تصورات خیر مساوی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا کہ تمام تصورات خیر مساوی ہیں غیر جانبداری کا رویہ نہیں بلکہ بذات خود خیر کا ایک مستقل مابعد الطبعیاتی تصور ہے کہ اصل خیر تمام تصورات خیر کا مساوی ہونا ہے، اور اسی تصور خیر کے تحفظ اور فروغ کی لبرل جمہوری دستوری ریاست پابند ہوتی ہے۔ یہ سمجھنا کہ لبرل جمہوری ریاست کوئی tolerant ریاست ہوتی ہے، ایک فریب ہے، کیونکہ اپنے دائرہ عمل میں یہ صرف انہیں تصورات خیر کو برداشت کرتی ہے جو اس کے اپنے تصور خیر (یعنی تمام تصورات خیر کی مساوات و لایعنیت) سے متصادم نہ ہو، اور ایسے تمام تصورات خیر جو کسی ایک چاہت کو بقیہ تمام چاہتوں سے بالاتر سمجھ کر اس کی برتری کے قائل ہوں، ان کی بذریعہ قوت بیخ کنی کر دیتی ہے جس کی مثال طالبان کی حکومت پر بمباری سے عین واضح ہے۔ درحقیقت خیر کے معاملے میں لبرل جمہوری ریاست بھی اتنی ہی dogmatic (راسخ العقیدہ) اور intolerant (ناروادار) ہوتی ہے جتنی کوئی مذہبی ریاست، کیونکہ دونوں ہی اپنے تصورات خیر سے متصادم کسی نظریے کی بالادستی کو روا نہیں رکھتیں۔ خوب یاد رہے کہ تمام تصورات خیر کی لایعنیت کا مطلب غیر جانبداری نہیں بلکہ مساوی آزادی (سرمائے کی بالادستی) بطور اصل خیر کا اقرار ہے۔ یہ اسی کا مظہر ہے کہ پختہ (matured) جمہوری ریاستوں میں ارادہ انسانی یعنی اس کے حق کی بالادستی تمام دیگر تصورات خیر پر غالب آجاتی ہے اور کسی مخصوص خیر کی دعوت دینا ایک لایعنی اور مہمل دعوت بن کر رہ جاتی ہے۔ ایسی ریاستوں میں آپ کسی مخصوص خیر (مثلاً مذہبیت) کے اظہار کو بطور ایک حق کے پریکٹس (Practice) تو کر سکتے ہیں مگر اسے دیگر تمام تصورات خیر اور زندگی گزارنے کے دوسرے طریقوں پر غالب کرنے کی بات نہیں کر سکتے کہ ایسا کرنا ہیومن رائٹس کی خلاف ورزی ہے۔

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾  
(آل عمران: ۱۱۰)

”تم دنیا میں وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کیلئے برپا کی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔“

### دین میں جبر نہیں!

قرآنی آیت ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ ”دین میں کوئی زبردستی نہیں“ (البقرہ: ۲۵۶) کو بھی اس کے عمومی معنی کی آڑ میں اسلام میں آزادی و رواداری کے جواز کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، حالانکہ اس کا اصل مفہوم بھی قریب قریب وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا جیسا کہ مکمل آیت پڑھنے سے عین واضح ہو جاتا ہے۔ اس آیت کو یہ عمومی معنی پہنانا کہ دین کے کسی معاملے میں کوئی جبر ہے ہی نہیں، آیت کی بالکل غلط تعبیر ہے، کیونکہ اس تشریح کے بعد اسلام کے تمام معاشرتی و سیاسی احکامات کا عدم ہو جائیں گے۔ مثلاً اسلامی ریاست میں کوئی شخص چوری کرے اور جب ہاتھ کٹنے کی باری آئے تو کہہ دے: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾ اسی طرح اس آیت سے تمام تصوراتِ زندگی کی اخلاقی و معاشرتی مساوات (plurality of goods) کا اصول نکالنا بھی سراسر غلط ہے، کیونکہ اگر آیت کو پورا پڑھا لیا جائے تو اس نظریے کی تردید ہو جاتی ہے۔ مکمل آیت کا ترجمہ یہ ہے:

﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاءُ لَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرہ: ۲۵۶، ۲۵۷)

”دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے خوب واضح ہو گئی ہے، پس جو کوئی طاغوت (بندگی کا انکار کرنے والے) کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے اور جاننے والا

ہے۔ اللہ مددگار ہے ایمان والوں کا وہ انہیں (جہالت کی) تاریکیوں سے (ہدایت کی) روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔ اور جنہوں نے (ہدایت کا) انکار کیا ان کے ساتھی طاغوت ہیں جو انہیں روشنی سے تاریکیوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں، یہی لوگ آگ میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

قرآن نے ہدایت و خیر کے لئے لفظ ’نور‘ مفرد اور گمراہی کے لئے ’ظلمات‘ جمع استعمال کر کے یہ بتا دیا کہ حق اور خیر درحقیقت صرف ایک ہی ہے جبکہ جہالت کی کئی شکلیں ہیں۔ خوب یاد رہے کہ ارادۂ خداوندی سے باہر یا اس سے ماورائے کسی حق اور خیر کا کوئی وجود ہے ہی نہیں، خیر اور حق وہی ہے جسے اسلام خیر اور حق کہتا ہے نیز اسلامی نظام زندگی میں ارادۂ خداوندی سے متضادم تصورات ہرگز بھی مساوی معاشرتی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ انہیں لازماً وہی پوزیشن اختیار کرنا ہوتی ہے جس کے لئے قرآن صَاغِرُوْنَ حالتِ مغلوبیت (التوبہ: ۲۹) کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔

قرآنی آیت کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسلام اپنے عقائد کسی سے زبردستی نہیں منواتا کہ یہ بذریعہ قوت منوانے کی چیز نہیں۔ اسلام اپنے نظامِ عمل میں ذاتی عقائد اور عبادات اختیار کرنے کی آزادی دینے پر تیار ہے مگر وہ اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اللہ کے قوانین معاشرت و ریاست کے سوا کسی اور کے بنائے ہوئے قوانین کی عمل داری مخلوقِ خدا پر قائم و دائم ہو اور اللہ کی زمین پر اس کے باغیوں کا غلبہ ہو نیز مسلمان ان کے تابع ہو کر اطمینان سے زندگی بسر کریں۔

اجتماعی زندگی کے اس معاملے میں لامحالہ ایک فریق کو دوسرے فریق کے ’دین‘ میں مداخلت کرنا ہی ہوگی۔ اگر مسلمان ’مذہبِ کفر‘ میں دخیل نہیں ہوں گے، تو کافر ’مذہبِ اسلام‘ میں مداخلت کر کے رہیں گے جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی زندگی کے بہت بڑے حصے پر مذہبِ کفر جاری و ساری ہوگا، جیسا کہ موجودہ حالات میں عین واضح ہے کہ کفر اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور ہے۔ لہذا بجائے اس کے کہ یہ مداخلت کفار کی طرف سے ہو اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان اللہ کی مخلوق پر اہل کفر کے ظلم و ستم کا خاتمہ کریں اور پھر جہاں تک

ذاتی مذہبی عقائد و عبادات کا تعلق ہے تو غیر مسلموں کے ساتھ لا اِکْرَاهِ فِي الدِّينِ کا معاملہ کیا جائے کہ کسی غیر مسلم پر اسلام قبول کرنے میں جبر روا نہیں رکھا جائے گا۔ یہی درست اسلامی تصور رواداری ہے کہ اسلام کے بجائے کفر حالتِ مغلوبیت کا شکار ہو۔ دوسروں کو ان کے مسلک پر چلنے دینا بے شک رواداری ہے مگر یہ کوئی رواداری نہیں کہ اپنے طریقہ حیات کے خلاف اپنے اوپر دوسروں کا طریقہ مسلط کر لیا جائے۔

اسی طرح بعض جدید مفکرین نے قرآنی آیت: ﴿فَدَّكَّرَ اِنَّمَا اَنْتَ مُدَّكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۲، ۲۱) ”اے نبی ﷺ! آپ نصیحت کرتے رہئے کہ آپ تو نصیحت ہی کرنے والے ہیں، ان پر جبر کرنے والے نہیں۔“ سے یہ مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی کہ علمائے دین کا کام محض دعوت دینا ہے نہ کہ غلبہ دین کے لئے کوئی منظم حکمت عملی اختیار کرنا اور اجتماعی صف بندی وغیرہ کرنا۔ آیت کی یہ تشریح کسی ایک قرآنی آیت کو قرآن کی عمومی تعلیمات سے ہٹا کر معنی نکالنے کی عمدہ مثال ہے۔ آیت کا سیدھا سا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص معقول دلائل اور نصیحت کے بعد بھی حق کو قبول نہیں کرتا، اسے زبردستی حق قبول نہیں کروایا جائے گا۔ ویسے بھی رحمۃ للعالمین ﷺ کے قلب مبارک پر کفار کا انکار اسلام بہت ہی شاق گزرتا اور آپ اس رنج میں مبتلا رہتے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے، تو آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کی تسلی کے لئے فرما رہا ہے کہ اے حبیب! آپ فکر مت کیجئے، ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں، کیونکہ آپ ان پر بطور داروغہ مسلط نہیں کئے گئے کہ انہیں ایمان قبول کروانا آپ کے فرائض نبوت میں شامل ہو۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ آیت مکی دور سے متعلق ہے جہاں مسلمانوں کو عملاً سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا تھا، اس کے مقابلے میں مدنی آیتوں میں واضح طور پر اقامتِ دین کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآنی آیات کے معنی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مکی اور مدنی آیات کو ملا کر پڑھا جائے تاکہ آیات کے عموم اور خصوص کا درست اطلاق معلوم ہو سکے۔ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ دین محض نصیحت ہی کا نام ہے تو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ بے شمار



معاشرتی و ریاستی احکامات ہمیشہ طاقِ نسیاں میں ہی پڑے رہیں گے۔

## اسلام اور تبلیغِ کفر کی اجازت

یہیں سے یہ نکتہ بھی صاف ہو جاتا ہے کہ اسلام اپنی دائرہ عمل میں تبلیغِ کفر کی اجازت کیوں نہیں دیتا۔ کسی شخص کا خود اپنی ذاتی زندگی میں ایک عقیدے کو ماننا اور بات ہے اور اس کا اپنے نظریات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کی دعوت دینا نیز اس کے مطابق نظامِ زندگی بنانا اور اسے بذریعہ قوتِ خلق خدا پر نافذ کرنا ایک دوسری چیز ہے۔ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے باغی ہوں انہیں خدا کی زمین میں بسنے کا حق بھی نہ ہونا چاہئے مگر یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی حلم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ جینے کی مہلت دیتا ہے بلکہ انہیں اپنی ذاتی زندگی میں کفر پر قائم رہنے کا اختیار بھی دیتا ہے جب تک کہ ان کی بغاوت دوسرے بندگانِ خدا کے لئے فتنہ و فساد کا باعث نہ بن جائے۔ اپنے اصولی دعوے کے بعد اسلام کے لئے یہ بات پسند کرنا تو درکنار قبول کرنا بھی مشکل ہے کہ بنی نوعِ انسانی کے اندر وہ دعوتیں پھیلیں جو اسے ابدی ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہوں۔ وہ داعیانِ باطل کو یہ رعایت دینے کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ جس آگ کے گڑھے کی طرف وہ خود جا رہے ہیں، دوسروں کو بھی اس کی طرف کھینچ کر لے جائیں۔ زیادہ سے زیادہ جس چیز کو وہ بادلِ ناخواستہ قبول کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو شخص خود کفر کے راستے پر قائم رہنا چاہتا ہے، اسے اختیار ہے کہ اپنی فلاح کے راستے کو چھوڑ کر بربادی کے راستے پر چلتا رہے۔ انسانیت کی خیر خواہی اور عدل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر بالجبر لوگوں کو کفر کے زہر سے بچانا ممکن ہوتا تو اسلام ہر شخص کا ہاتھ پکڑ کر اسے یہ زہر پینے سے روک دیتا مگر ایمان ایسی شے نہیں جو بذریعہ قوتِ کسی کے دل میں ڈال دی جائے۔ فرد کی اس جبری حفاظت سے اسلام کے اجتناب کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام کفر اور جہنم کی طرف جانے کو فرد کا 'حق' سمجھتا ہے اور انہیں روکنے کو باطل، گردانتا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص کفر کے تباہ کن نتائج سے اس وقت تک بچایا نہیں جاسکتا جب تک وہ خود کفر کے نقصانات کا معترف ہو کر مسلمان نہ ہو جائے۔ اس لئے اسلام کہتا ہے کہ کفار کو دینِ حق پر ایمان لانے کے لئے مجبور تو نہ کرو، لیکن

غلبہ کفر کے فتنے کو پوری قوت سے مٹانے کی کوشش کرو اور جو لوگ میرے دین کو نہیں مانتے وہ چھوٹے ہو کر زندگی بسر کریں۔

کوئی فرد اگر اپنی انفرادی زندگی میں کفر اختیار کرنا چاہتا ہے تو کرے مگر اسے یہ حق نہیں کہ وہ بندگانِ خدا پر باطل نظامِ اکراہ مسلط کر کے انہیں جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جائے، اس سے بہتر یہ ہے کہ مسلمان ان پر اکراہ کریں اور انہیں اس مقام پر لا کھڑا کریں جہاں اگر وہ چاہیں تو باسانی جنت کا راستہ تلاش کر سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اس قیمت پر حق کی اشاعت کی دعوت خریدنا نہیں چاہتا کہ اس کے جواب میں اسے جھوٹ کی دعوت دینے کی آزادی دینی پڑے۔ وہ اپنے ماننے والوں سے کہتا ہے کہ اگر تم سچے دل سے مجھے حق سمجھتے ہو اور نوعِ انسانیت کی بھلائی میری پیروی میں دیکھتے ہو تو دنیا کو میری طرف دعوت دو اور مجھے قائم کرنے کی جدوجہد کرو، خواہ اس کام میں تمہیں گلزارِ ابراہیمی کا سامنا کرنا پڑے یا آتشِ نمرود کا۔ یہ تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ تم اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہو یا نہیں، لیکن میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ تمہیں راہِ حق کی خطرناکیوں سے بچانے کے لئے باطل پرستوں کو یہ 'حق' دے دوں کہ وہ خدا کے بندوں کو گمراہ کریں اور انہیں جہنم کے راستوں کی طرف ہانک لے جائیں۔

پھر کفر کی، دعوت و تبلیغ دو میں سے کسی ایک حال سے خالی نہیں، یا تو وہ سیاسی نوعیت کی دعوت ہوگی اور یا پھر اخلاقی۔ اگر وہ دعوت سیاسی نوعیت کی ہو اور اس کا مقصد نظامِ زندگی میں تغیر ہے تو جس طرح دنیا کی ہر ریاست ایسی دعوت کی مزاحمت کرتی ہے، اسی طرح اسلام بھی اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر وہ دعوتِ محض مذہبی و اخلاقی نوعیت کی ہے تو دنیاوی ریاستوں کے برخلاف اسلام اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتا، کیونکہ کسی اخلاقی و اعتقادی گمراہی کو اپنی نگرانی و حفاظت میں سر اٹھانے کا موقع دینا اس مقصد ہی کی ضد ہے جس کے لئے اسلام زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔

دنیاوی ریاستوں کو چونکہ فرد کی اخروی کامیابی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا لہذا وہ اعتقادی گمراہی کا سدباب کرنے کی فکر نہیں کرتیں۔ البتہ جس اخلاقی قدر پر ان کی ریاست کا نظام

قائم و دائم ہو (مثلاً سچ بولنا، ریاست سے وفاداری وغیرہ) تو اس کے خلاف دعوت دینے والوں کو وہ بھی بذریعہ قوت روک دیتی ہیں۔ اسلام کے نزدیک انسان کا سنگین ترین مسئلہ بیماری یا غربت نہیں بلکہ اپنے رب کا انکار اور اس سے سرکشی و بغاوت (فسق، کفر، شرک، طاغوت) ہے اور بغاوت کا فروغ کبھی بطورِ پالیسی اختیار نہیں کیا جاتا۔

اس رویے کی وضاحت اس مثال سے کی جاسکتی ہے کہ جب کبھی یہ کہا جائے کہ ٹی وی بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دے رہا ہے تو یہ عجیب و غریب فلسفہ سننے کو ملتا ہے کہ ”جناب ٹی وی پر تو مذہبی چینلز بھی آتے ہیں، تو جو چاہے فلموں اور گانوں کے بجائے ان چینلز کو دیکھ لے۔“ اس فلسفے کا بودا پن اوپر بیان کی گئی تفصیلات سے واضح ہو جانا چاہئے۔ اس مثال میں اصل سوال یہ نہیں کہ آیا ٹی وی پر مذہبی پروگرام آتے ہیں یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ اگر فحاشی و عریانی پھیلا نا برائی اور جرم ہے تو اس کے فروغ کو بطورِ ایک ’حق‘ اور ’پالیسی‘ کیسے اختیار کر لیا جائے؟ اس دلیل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم ایون اور چرس بیچنے والے کو بھی اپنے کاروبار کے فروغ کی کھلی چھٹی دے دیں، کیونکہ وہ بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب بازار میں کھانے کی بے شمار اشیا موجود ہیں، لوگ چاہیں تو میری چرس کے بجائے انہیں استعمال کر لیں۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ

☆ مادر پدر آزادی رڈ ہے عبدیت کا

☆ مساوات رڈ ہے نظام ہدایت و تزکیہ نفس کا

☆ عیش و آرائش کے لئے ترقی رڈ ہے دنیا کے دارالامتحان ہونے اور معرفتِ خداوندی کے

امکان کا

☆ انسانیت رڈ ہے مسلمانیت کا

☆ Plurality of goods رڈ ہے اسلام کے الحق ہونے کا

☆ Tolerance رڈ ہے ایمان اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا

ہمیں چاہئے کہ ہم چیزوں کی حقیقت کا علم حاصل کریں تاکہ آزادی، مساوات،

Tolerance اور plurality of goods جیسے گمراہ کن تصورات کی نسبت اللہ اور اس کے رسول کی طرف کرنے سے بچ سکیں۔